Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:9 (1969)

قسط نمبر ۱۳

فلسفہ، علم اور قرآن

پر ایمان کی کہانی

الشیخ ندیم الجسر ☆ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن

عبقریوں کی ملاقات

امام غزالی اور دیکارت

حیران:۔ فلسفی دنیا میں دیکارت کی بڑی شہرت ہے۔ مجھے اس بات کا بہت اشتیاق ہے کہ میں یہ معلوم کروں کہ مسلمان فلسفیوں اور قرآن کے ساتھ اس کی موافقت کی کیا وجہ ہے۔؟

شیخ:۔ دیکارت نے شک سے یقین کا استخراج کیا ہے اور شک ہی میں سے اس نے اللہ کے وجود کو ثابت کرنے اور اس کی صفاتِ کمال کو جاننے کی راہ نکالی ہے۔ شک و لیقین میں اس کی مشابہت غزالی سے کسی قدر پائی جاتی ہے، بلکہ غزالی سے اس کی مشابہت اس کے تمام احوال و اقوال میں پائی جاتی ہے۔ اس نے معرفت کے وسائل پر غور کیا تو دیکھا کہ وسائلِ معرفت سے مراد وہ حواسِ خمسہ ہیں جن کے ذریعہ ہم محسوسات کا اثر قبول کرتے ہیں۔ نیز وہ عقل مراد ہے جس کے ذریعہ ہم معقولات کو معلوم کرتے ہیں۔ پھر اس نے دیکھا کہ یہ حواس اکثر ہمیں دھوکا دے جاتے ہیں اور عقل بھی اکثر غلطی کھا جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ہم یوں خیال کرنے لگتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے خواب میں دیکھا ہے، اسے ہم نے درحقیقت بیداری میں بھی دیکھا ہے۔ اور جب حواس دھوکا دیتے رہیں اور عقل غلطی کھاتی رہے تو پھر ہمارے پاس وسائلِ معرفت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی جس پر ہم حق و لیقین کی معرفت میں اعتماد کر سکیں۔

اس شک کے بعد جس کی بنا پر دیکارت نے تمام وسائلِ معرفت کے خلاف فیصلہ دے دیا، وہ پھر یقین کی طرف لوٹتا ہے بعینہٖ اس سے پہلے غزالی کی طرح اس نے اپنے مسحور کر لینے والے بیان، واضح مفصل اور اس بالغ دلیل کے ذریعہ جو برہان علی الشک کو برہان علی الیقین قرار دیتی ہے، شک سے یقین کی طرف رجوع

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

کیا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:۔ جس قدر بھی میں اپنے حواس اور عقل پر شک کرتا ہوں اور دنیا کے وجود میں شک کرتا ہوں تو میرے لئے ایک حقیقت باقی رہ جاتی ہے، جس میں مجھے شک کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ جس قدر شک زیادہ ہوتا ہے، اسی قدر یقین بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت یہ ہے کہ میں شک کرتا ہوں۔ "میں شک کرتا ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ میں غور و فکر کرتا ہوں اور غور و فکر مفکر کی ذات سے ہی پیدا ہوتا ہے اور یہ ذات مفکر خود میں ہوں، یہاں تک کہ اگر میں اس بات میں شک کرنے کا ارادہ کروں کہ میں غور و فکر کر رہا ہوں تو یہ شک بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ میں غور و فکر کر رہا ہوں۔ اس نے یہیں سے اپنا مشہور قول وضع کیا:۔ "میں سوچتا ہوں لہذا میں موجود ہوں"۔ اس نے اسی قول پر حواس کی صحت اور عقل کی سچائی کے بارے میں اپنے قواعد برہان کی بنیاد رکھی اور اللہ کے وجود کو ثابت کرنے تک پہنچ گیا اور اللہ کی تمام صفاتِ کمال کو بھی پہچان لیا جنہیں عقل ضروری قرار دیتی ہے۔

اسی اصول سے دیکارت اولیاتِ عقلیہ کے وجود کو ثابت کرنے کی طرف گیا۔ پھر اس کے بعد آگے بڑھا۔ وہ دلیل حدوث اور دلیل وجوب کے ذریعہ اللہ پر استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

میرے لئے یہ کیوں ناممکن ہے کہ میں اس حقیقت کا انکار کروں جو یہ کہتی ہے "میں سوچتا ہوں لہذا میں موجود ہوں"؟ میرے لئے اس کا انکار کرنا اس لئے ناممکن ہے کہ یہ ایک بہت ہی واضح بات ہے۔ اسی طرح کچھ دیگر ایسے امور بھی پائے جاتے ہیں جو عقل میں اس بات سے کم واضح نہیں ہیں مثلاً ہمارا یہ کہنا کہ لاشئی سے شئی صادر نہیں ہو سکتی۔ نیز ہمارا یہ قول کہ نتیجہ مقدمہ سے بڑا نہیں ہو سکتا اور یہ کہ مسبّب سبب سے بڑا نہیں ہو سکتا۔

دیکارت قضایا اولیہ بدیہیہ کے، جو ہماری عقلوں میں گھر کر چکے ہیں، ثابت کرنے میں اس یقین تک پہنچنے کے بعد افکار کی تین قسمیں بتاتا ہے:۔

۱۔۔۔ افکار بالمصادفۃ (اتفاقی افکار) یا مباشرہ (براہِ راست افکار) یہ وہ افکار ہیں جو ہمارے ذہن کو کام میں لائے بغیر براہِ راست خارجی اشیاء سے پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔۔۔ افکار صنعیہ: یہ وہ افکار ہیں جنہیں ہم مختلف افکار سے پیدا کرتے ہیں۔

۳۔۔۔ افکار فطریہ جو ہماری عقلوں میں مرکوز ہوتے ہیں۔

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ ہمیں پہلی دو قسموں میں احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حواس اور وہم کی

غلطیاں ان میں سرایت کر آئیں۔

رہے افکار فطریہ تو یہ تو بصورت سلامتیٔ عقل خطا سے سلامت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ہماری عقلوں کی تکوین میں یہ بنیادی جز ہیں۔ ان ہی سے ہم اپنے تمام یقینی احکام کا اقتباس اور اللہ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد دیکارت اللہ کے وجود کو ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے:۔ میں موجود ہوں۔ مجھے کون وجود میں لایا اور کس نے پیدا کیا؟ میں خود تو پیدا نہیں ہوا۔ لہٰذا پیدا کرنے والے کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ خالق واجب الوجود ہو۔ اسے کسی اور کی ضرورت نہیں کہ اسے پیدا کرے یا اس کے وجود کی حفاظت کرے۔ اس کا صفاتِ کمال سے متصف ہونا بھی ضروری ہے اور یہ خالق اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

اپنے نفس، اپنے وجود اور عالم موجود سے اللہ پر دلیل لاتے ہوئے وہ بعینہٖ وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جو اس سے چار سو سال پہلے ابن سینا (۱) اختیار کر چکا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ اور اس کی صفاتِ کمال سے عقلوں کے سچا ہونے اور ان کا صحیح نتائج برآمد کرنے پر دلیل لاتا ہے۔ نیز اپنی ذات کے وجود اور دنیا کے وجود پر دلیل لاتے ہوئے کہتا ہے:۔ ان صفاتِ کمال میں سے جن کا عقلی طور پر اللہ کے لئے ہونا ضروری ہے، ایک صفت صدق ہے۔ معاذ اللہ کہ اللہ نے ہمیں گمراہ کن اور دھوکا دینے والی عقلیں عطا کی ہوں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اس بات پر بھروسا کریں کہ یہ عقلیں جن پر اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے، سچی عقلیں ہیں اور اس بات کی اہل ہیں کہ حق کو معلوم کرلیں۔ ہر وہ بات جسے یہ عقلیں واضح اور جلی طور پر معلوم کرلیں، (مثلاً اولیاتِ بدیہیہ) وہ حق بات ہے، جس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ ہماری عقلیں (جنھیں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سچی ہیں اور حقائق اولیہ کو پالیتی ہیں) وہ عقلیں ہیں، جو اللہ کے وجود اور اس کی صفاتِ کمال کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ نیز اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ اللہ دنیا کا پیدا کرنے والا اور دنیاوی معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے۔

دیکارت اپنے استدلال میں اسی طرح بتدریج آگے چلتا گیا ہے۔ پس اس نے اپنی ذات اور عالم سے اللہ اور اس کے کمال پر استدلال کیا ہے۔ پھر اللہ کے وجود اور اس کے کمال سے عقلوں کے سچا اور پختہ ہونے

---

(۱) ابن سینا: ابو علی بن سینا۔ پیدائش ۹۸۰ء۔ وفات ۱۰۳۷ء

اور دنیا کے وجود پر دلیل لایا ہے۔ پھر اللہ کی مخلوق کے ذریعہ سے اللہ کے وجود پر دلیل لانے کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق پر دلیل اور گواہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس نے وہی طریقہ اختیار کیا ہے، جو ابن سینا نے کیا تھا۔ جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو۔ لہٰذا اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آتا ہے:۔

سنریھم اٰیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کل شئی شھید۔ (ہم عنقریب انہیں دنیا میں اور ان کی اپنی ذاتوں میں نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ اللہ کا وجود حق ہے۔ کیا اللہ کے لئے یہی بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے)۔

یقیناً اللہ نے اسے اپنی نشانیاں دکھائیں اور اسے (جب وہ یہ کہتا ہے:۔ میں نے خود اپنے نفس کو پیدا نہیں کیا لہٰذا ضروری ہے کہ کوئی میرا پیدا کرنے والا ہو) ایک واضح دلیل کی طرف رہنمائی کی اور وہ دلیل اللہ تعالیٰ کے اس قول میں پائی جاتی ہے:۔

ام خلقوا من غیر شئی ام ھم الخالقون۔

(کیا انہیں بغیر کسی چیز کے پیدا کیا گیا۔ یا کیا یہ خود ہی (اپنے آپ کو) پیدا کرنے والے ہیں۔)

اس بات پر تم غور کرو۔

اور جب ناقدین نے اُس پر یہ اعتراض کیا کہ اس نے اس نتیجہ کو جس تک وہ پہلے استدلال میں پہنچا ہے، اس مقدمہ کی بنیاد بنایا ہے، جس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا ہے تو دیکارت نے جواب دیا۔ پہلے استدلال میں عقل ایک بدیہی قضیہ پر اعتماد کر رہی ہے، جس سے بغیر سوچنے کے اپنے وجود کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ میری ذات کا وجود ایک بدیہی قضیہ ہے مگر دوسرے استدلال میں عقل کے لئے جب یہ ممکن ہو گیا کہ وہ اس سبب پر دلیل پیش کرے، جس کی وجہ سے عقل کو ایک ایسا ذریعہ اعتبار کیا گیا، جس کی طرف ہم امور کو معلوم کرنے اور نتائج برآمد کرنے کے لئے مائل ہوں تو وہ اس نتیجہ پر اعتماد کرتی ہے، جو اس دلیل سے برآمد ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ یوں کہہ رہا ہے:۔ میں نے اللہ کی نشانیوں کو واضح طور پر اپنی ذات میں دیکھ لیا ہے۔ اس کے بعد اللہ کو مع اس کی صفاتِ کمال کے اپنی اس عقل پر گواہ پایا جس کے ذریعہ سے میں نے حق کو پہچانا۔ لہٰذا میں نے اسی بات پر اکتفا کیا کہ میں اللہ کو ہر چیز پر گواہ بتاؤں۔ یہی مذکورہ بالا آیتِ قرآنی کا نظم ہے۔ اے حیران! اس پر غور کرو۔

حیران:۔ اللہ کی قسم یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ اور فرمائیں

شیخ:۔ میں اور کیا بتاؤں۔ تو اور بتلانے سے بھی راضی نہ ہو گا اس لئے کہ اس بلند عقل کے بارے میں جو خوبصورت تصویر تو نے اپنی آنکھوں میں بنا رکھی ہے، زیادہ بتلانے سے بدنما معلوم ہونے لگے گی۔

حیران:۔ کیسے؟

شیخ:۔ یہ عقلِ سلیم منطقی بن کر ایسے مقام میں داخل ہو جاتی ہے جو اس کا اپنا مقام نہیں اور اس احتیاط کو بھول جاتی ہے جس کا ہمیں افکار مباشر اور افکار صناعیہ میں حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا جس طرح اصیل گھوڑا پتھریلی زمین میں ٹھوکر کھاتا ہے، عقل بھی جب اس بات کی تشریح کرنا چاہتی ہے کہ دنیا کیسے پیدا ہوئی؟۔ زندگی کیا ہے؟ اور عقلِ روحانی مادی جسم سے کیسے متصل ہوتی ہے، ٹھوکر کھا جاتی ہے۔

دیکارت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مادہ کو اجزاء میں تقسیم کیا جن میں سے بعض چھوٹے تھے بعض بڑے۔ پھر ان میں مختلف جہتوں میں حرکت کرنے کی طاقت رکھ دی۔ چنانچہ یہ اجزاء اپنی اپنی جگہ سے چلے اور ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ بعض نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا اور اکٹھے ہو کر بڑے بڑے تودے بن گئے اور بعض ذرات اور بعض باریک ہوا میں اڑنے والے ذرات بن گئے بڑے بڑے تودوں سے زمین بنی۔ ذرات سے ہوا اور باریک ذروں سے ایتھر اور ایتھر سے آگ، سورج اور ستارے۔ یہ کیا ہی عمدہ خیال ہے۔

نیز اس کا خیال ہے کہ زندگی کی اصل خون ہے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ خون کس طرح دل تک پہنچتا ہے، جس کی حرارت سے یہ گرم ہو کر بخارات بنتا ہے اور دونوں پھیپھڑوں کی طرف اٹھ کر ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور دل کی طرف واپس آجاتا ہے۔ دورانِ خون کی یہ کیا عمدہ توجیہہ ہے اگرچہ یہ اس کے معاصر ولیم ہارفی کو جو اس سے آٹھ سال پہلے پیدا ہوا اور سات سال بعد مرا، پسند نہیں شاید دیکارت اس بات سے ڈر گیا جو میشال سرفیہ پر گزری لہٰذا اس نے اس دائمی دورانِ خون کے بارے میں حق بات نہیں کہنی چاہی۔ وہ دورانِ خون، جو اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے عجائبات میں سے ہے اور جو اس کے وجود اور قدرت پر اولین دلائل میں سے ہے۔

رہا یہ سوال کہ عقل روحانی اور مادی جسم کے درمیان یہ اتصال کیسے واقع ہوتا ہے تو اس کے لئے دیکارت صنوبری غدہ (دل) کو اس کا ذریعہ بناتا ہے۔

لیکن دیکارت ان خیالات کی فضاؤں میں اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد ہوش سنبھالتا ہے اور لوٹ کر اس احتیاط کی طرف آتا ہے جس کا ہمیں افکار مباشرہ اور افکار صناعیہ کی تحقیق میں حکم دیا گیا ہے اور

کہہ اُٹھتا ہے :-

ہم یہ معلوم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے کہ مادہ اور روح کے درمیان یہ اتصال کیسے ہوا۔ لہذا ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ خلاق حکیم اور قادر کی نشانیوں میں سے ہے۔

مدرسۂ دیکارت کے دو مشہور شاگرد باسکال اور مالبرانش کا اللہ پر ایمان اپنے اُستاد سے کچھ کم نہیں لیکن مؤخر الذکر اس خیال میں اس حد تک چلا گیا ہے کہ وہ "جبر محض" کو مانتا ہے اور اس کا معاصر لائبنز اس سے بھی آگے نکل گیا ہے اور "تناسق السابق التوطید" کا قائل ہے۔

حیران :- یہ تناسق السابق التوطید کیا چیز ہے۔

شیخ :- اس کی تشریح اور وضاحت آگے آئے گی۔ اب سنو باسکال کیا کہتا ہے کیونکہ اس کا بیان اور دلیل دیکارت سے کم نہیں۔

باسکال معرفت کے متعلق کہتا ہے :- حواس دھوکا دیتے ہیں اور عقل غلطی کرتی ہے لیکن ہم صرف دل کے ذریعہ سے حق کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ ہم ابتدائی اصولوں اور زمان۔ مکان اور حرکت کے معانی کو دل ہی کے ذریعہ سے جانتے ہیں۔

اور عقل اپنے ادراک کی بنیاد انہی معلومات پر رکھتی ہے جو قضایا اولیہ کہلاتے ہیں۔ اگر ہم ان پر دلیل لانا چاہیں تو ہمیں ان سے پہلے دیگر امور کے وجود کو ماننا پڑے گا۔ اور اگر ہم (دیگر امور کے وجود کو) مان لیں تو اس سے تسلسل لازم آئے گا اور قضایا اولیہ تک پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔

لہذا ہم دل سے ان حقائق کو معلوم کرتے ہیں اور دل سے ہی اللہ کے وجود کو پاتے ہیں۔

(مسلسل)